البیر کامو

ترجمہ: ضمیر الدین احمد

فاحشہ

بس کی ساری کھڑکیاں بند تھیں مگر پھر بھی ایک مکھی اندر گھس آئی تھی اور کئی منٹ سے بس کا چکر لگا رہی تھی۔ کبھی اڑ کر آگے کی طرف چلی جاتی اور کبھی پیچھے کی طرف آ جاتی۔ ایک لمحے کے لئے وہ ژینین کی نظروں سے اوجھل ہو گئی مگر دوسرے لمحے اسنے مکھی کو اپنے شوہر کے ساکت ہاتھ پر بیٹھتے ہوئے دیکھا۔ موسم ٹھنڈا تھا اور ریگستانی ہوا کے ہر جھونکے کے ساتھ جو کھڑکیوں کو جھنجوڑتا مکھی کانپ کانپ جاتی۔ سرمائی صبح کی مدھم روشنی میں شور مچاتی اور ہچکولے کھاتی ہوئی بس بہ مشکل تمام آگے بڑھ رہی تھی۔ ژینین نے اپنے شوہر کی طرف دیکھا۔ مارسل کی تنگ پیشانی پر بڑے ہوئے بال سپیدی مائل تھے۔ اس کی ناک چوڑی تھی اور اس کا منہ لٹکا ہوا تھا۔ بس کے ہر دھچکے کے ساتھ وہ اس کے بدن کی رگڑ محسوس کرتی۔ پھر اس کا بھاری پیٹ اس کی پھیلی ہوئی ٹانگوں پر آ رہتا اور وہ بے ست ہو کر خلا میں گھورنے لگتا۔ سوائے اسکے بالوں سے بھرے بھاری ہاتھوں کے جو فلالین کے زیر جامے کی لانبی آستینوں کی وجہ سے اور بھی چھوٹے لگ رہے تھے۔ اس میں حرکت اور زندگی کے کوئی آثار نہیں تھے۔ اس کے ہاتھ کنیوس کے ایک سوٹ کیس کو جو اسکے گھٹنوں کے بیچ میں رکھا ہوا تھا اس مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھے کہ انہیں مکھی کی موجودگی کا احساس ہوتا نظر نہیں آ رہا تھا۔

یکایک ہوا کا شور بلند ہوا اور جو کہر بس کو گھیرے ہوئے تھا وہ اور گہرا ہو گیا۔ ریت اب بس کی کھڑکیوں سے ایسے ٹکرا رہی تھی۔ گویا غیر مرئی ہاتھ مٹھیاں بھر بھر کے کھڑکیوں پر اس کی بارش کر رہے ہوں۔ مکھی نے اپنا ایک پر ہلایا۔ ٹانگیں اکڑائیں اور اڑ گئی۔ بس

آہستہ ہونا شروع ہوئی۔ اور ایسا لگنے لگا کہ اب رکنے والی ہے۔ مگر ہوا کا زور کچھ کم ہوا۔ بہ رچھٹنے لگا۔ اور بس پھر تیز رفتاری سے چلنے لگی۔ ریت کی دیوار میں روشنی کے چند روزن نمودار ہوئے۔ دو تین سیگوں کمزور پام کے درخت جو دھات کے بنے معلوم ہوتے تھے۔ ایک لمحے کھڑکی میں سے نظر آئے اور دوسرے لمحے نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

"عجیب علاقہ ہے"۔ باسل نے کہا۔

بس عربوں سے بھری ہوئی تھی جو برنوس اوڑھے ہوئے تھے اور ایسا ظاہر کر رہے تھے جیسے سونے کی کوشش کر رہے ہوں۔ ان میں سے کچھ سیٹوں پر ٹانگیں سکیڑے بیٹھے ہوئے تھے اور بس کے ہچکولوں کے ساتھ دوسرے مسافروں سے زیادہ جھوم رہے تھے۔ ان کی خاموشی اور ان کا سکوت ژینین کے دماغ پر بوجھ بن کر چھانے لگا۔ اسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے وہ کئی دن سے اس خاموش گروہ کے ساتھ سفر کر رہی ہے۔ حالانکہ بس آج صبح پو پھٹے روانہ ہوئی تھی۔ اور دو گھنٹے سے ایک سنگلاخ اور ویران سطح مرتفع پر آگے بڑھ رہی تھی۔ شروع میں یہ سطح مرتفع سرخی مائل افق تک پھیلی نظر آتی رہی مگر جب ہوا چلنا شروع ہوئی تو ریت نے گویا اس سارے وسیع و عریض علاقے کو نگل لیا۔ اس وقت مسافروں کو بس کے باہر کچھ بھی نظر نہیں آتا تھا۔ ایک ایک کر کے انہوں نے اپنے لبوں پر مہر سکوت لگا لی تھی اور اب وہ گویا ایک بے خواب رات میں خاموشی سے آگے بڑھ رہے تھے۔ وہ گلے گا ہے اپنے ہونٹوں اور آنکھوں کو پونچھ لیتے کیونکہ ریت چھن چھن کر بس میں آ رہی تھی۔

"ژینین!"

اپنے شوہر کی آواز پر وہ چونک پڑی۔ اور ایک بار پھر اسے خیال آیا کہ اس جیسی لمبی اور مضبوط عورت کے لئے یہ نام کتنا بے تکا اور مضحکہ خیز ہے۔ باسل پوچھ رہا تھا کہ اس کا نمونوں کا کیس کہاں ہے۔ اس نے اپنے پیر سے اپنی سیٹ کے نیچے خالی جگہ میں نمونوں کے کیس کی تلاش کی اور جب اس کا پیر ایک چیز سے ٹکرایا تو اس نے فیصلہ کیا کہ یہ چیز نمونوں

ا؎ سربند

کا کیس ہی ہے۔ جب وہ جھک کر کیس کو باہر نکالنے لگی تو اس کا سانس پھول گیا۔ حالانکہ جب وہ اسکول میں پڑھتی تھی تو اسے جمناسٹکس میں پہلا انعام ملا تھا اور اس وقت اسے پتہ بھی نہ تھا کہ سانس پھولنا کسے کہتے ہیں۔ یہ کتنے عرصے پہلے کی بات تھی؛ پچیس سال۔ پچیس سال ہوتے ہی گئے ہیں۔ گئے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ ابھی کل کی بات ہے جب کہ وہ شادی اور آزادی کی زندگی کے درمیان متذبذب تھی اور متفکر بھی کہ اگر آزادی کے حق میں فیصلہ کیا تو بڑھاپے کا مقابلہ تن تنہا کرنا پڑے گا۔ لیکن اب وہ اکیلی نہیں تھی اور قانون کا وہ طالب علم جو ہمیشہ اس کے پاس رہنا چاہتا تھا اس وقت اس کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ آخرکار اسنے اس کی بیوی بننا منظور کر لیا تھا حالانکہ قد میں وہ اس سے ذرا چھوٹا تھا اور اسے اس کی تیز مزاجی اور اس کی کالی ابلتی ہوئی آنکھیں زیادہ پسند نہیں تھیں۔ مگر وہ اس کی زندگی سے مقابلہ کرنے کی ہمت کی مداح تھی جو اس ملک میں رہنے والے سارے فرانسیسیوں کا خاصہ تھی۔ اسے اس کی وہ شکست خوردگی بھی پسند تھی جو اس وقت اس کے چہرے پر چھا جاتی جب کوئی شخص یا واقعہ اسے ناامید کرتا۔ مگر سب سے زیادہ اسے چاہا جانا پسند تھا اور اس کا شوہر اسے ہر وقت اپنی توجہ کا مرکز بنائے رہتا۔ اس کو لاتعداد بار یہ احساس دلا کر کہ وہ اپنے شوہر کے لئے زندہ ہے۔ اس کے شوہر نے اسے درحقیقت زندہ رہنا سکھا دیا تھا۔ نہیں وہ اکیلی نہیں تھی۔ . . . .

بس کا ہارن بج رہا تھا اور بس غیرمرئی رکاوٹوں کو شیدر کرتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ بس کے اندر سب لوگ ساکت بیٹھے تھے۔ ژینین کو یکایک یہ احساس ہوا کہ کوئی اسے گھور رہا ہے۔ اسنے مڑ کر دوسری قطار میں ایک سیٹ کی طرف دیکھا۔ اسے دیکھنے والا عرب نہیں تھا اور اسے تعجب ہوا کہ اسنے ابتدا ہی سے اس شخص کی موجودگی کا نوٹس کیوں نہیں لیا۔ وہ صحرائی فرانسیسی فوج کی وردی اور کوری لنن کی ایک ٹوپی پہنے ہوئے تھا۔ اس کا چہرہ تپا ہوا اور نکیلا تھا جیسے گیدڑوں کے چہرے ہوتے ہیں۔ اس کی آنکھیں ژینین کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اور اس کی نظروں میں جو ژینین پر جمی ہوئی تھیں ایک قسم کی خاموش ناپسندیدگی تھی۔ اچانک وہ شرما گئی اور اسنے اپنا چہرہ اپنے شوہر کی طرف موڑ لیا جو ابھی

تک اپنی ناک کی سیدھ میں دیکھ رہا تھا۔ ڈینئین نے اپنے کوٹ کو اپنے گرد اچھی طرح سے لپیٹا لیکن وہ فرانسیسی سپاہی کو اب بھی دیکھ سکتی تھی۔ جو اپنی تنگ وردی میں اتنا لانبا اور اتنا دبلا نظر آرہا تھا کہ وہ کسی خشک مادے کا بنا ہوا معلوم پڑتا تھا کسی ایسے مرکب کا جو ریت اور ہڈیوں کو ملا کر بنایا گیا ہو۔ اور اس وقت اس کی نظر اس کے سامنے بیٹھے ہوئے عرب مسافروں کے پتلے پتلے ہاتھوں اور ان کے تپے ہوئے چہروں پر پڑی اور اسنے دیکھا کہ ان کے ڈھیلے ڈھالے کپڑوں کے باوجود ان عربوں کے پاس بیٹھنے کے لئے کافی جگہ تھی حالانکہ وہ سیٹیں جن پر وہ بیٹھے ہوئے تھے بالکل اتنی ہی بڑی تھیں جتنی وہ سیٹیں جن پر وہ اور اس کا شوہر پھنس کر بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے کوٹ کو اپنے گھٹنوں کے گرد لپیٹ لیا۔ ویسے وہ زیادہ موٹی نہیں تھی۔ وہ لمبی تھی اور اس کے اعضا سڈول تھے۔ وہ گداز تھی اور اب بھی اس قابل تھی کہ اس کے جسم کی خواہش کی جائے۔ جب بھی مرد اس کی طرف دیکھتے اسے اس بات کا احساس ہوتا۔ اس کا چہرہ بچکانہ اور آنکھیں چمکیلی اور معصوم تھیں جو اس کے لمبے اور بھاری بدن سے متضاد تھیں اسے معلوم تھا کہ اس کا یہ بدن گرم ہے اور لوگوں کو گویا اپنی طرف بلاتا ہے۔

شروع میں جب مارسل نے اسے اس سفر پر اپنے ہمراہ لے جانے کا ارادہ کیا تھا تو اسنے مخالفت کی تھی۔ وہ کافی عرصے سے اس کا ارادہ کر رہا تھا۔ اس وقت سے جب کہ لڑائی ختم ہوئی تھی اور بزنس پھر اپنے معمول پر واپس آگئی تھی۔ لڑائی سے پہلے جو چھوٹی سی بزنس اسنے قانون کی تعلیم چھوڑ کر اپنے والدین سے حاصل کی تھی اس سے اچھی خاصی آمدنی ہو جاتی تھی۔ ساحلی علاقے میں جوانی ہنسی خوشی گذر سکتی ہے۔ مگر جسمانی کام کی طرف مارسل کی رغبت زیادہ نہیں تھی۔ اور جلد ہی اسنے اسے ساحل لے جانا بند کر دیا۔ صرف اتوار کی سہ پہر کو وہ اسے اپنی چھوٹی سی گاڑی میں گھمانے لے جاتا۔ باقی وقت وہ اپنی کپڑوں سے بھری ہوئی دوکان میں گذارنا پسند کرتا جو عربوں اور یورپینوں کے ایک مخلوط علاقے میں واقع تھی۔ دوکان کے اوپر تین کمروں کے ایک فلیٹ میں وہ دونوں رہتے تھے۔ ان کے کوئی اولاد نہیں تھی۔ ایک ایک کرکے کئی سال ان تین کمروں کے نصف تاریک ماحول میں چڑھی ہوئی جھلمیوں کے عقب میں

تک اپنی ناک کی سیدھ میں دیکھ رہا تھا۔ ڈینئین نے اپنے کوٹ کو اپنے گرد اچھی طرح سے لپیٹا لیکن وہ فرانسیسی سپاہی کو اب بھی دیکھ سکتی تھی۔ جو اپنی تنگ وردی میں اتنا لانبا اور اتنا دبلا نظر آرہا تھا کہ وہ کسی خشک مادے کا بنا ہوا معلوم پڑتا تھا کسی ایسے مرکب کا جو ریت اور ہڈیوں کو ملا کر بنا لیا گیا ہو۔ اور اس وقت اس کی نظر اس کے سامنے بیٹھے ہوئے عرب مسافروں کے پتلے پتلے ہاتھوں اور ان کے تپے ہوئے چہروں پر پڑی اور اسنے دیکھا کہ ان کے ڈھیلے ڈھالے کپڑوں کے باوجود ان عربوں کے پاس بیٹھنے کے لئے کافی جگہ تھی حالانکہ وہ سیٹیں جن پر وہ بیٹھے ہوئے تھے بالکل اتنی ہی بڑی تھیں جتنی وہ سیٹیں جن پر وہ اور اس کا شوہر بھنس کر بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے کوٹ کو اپنے گھٹنوں کے گرد لپیٹ لیا۔ ویسے وہ زیادہ موٹی نہیں تھی۔ وہ لمبی تھی اور اس کے اعضا رسڈول تھے۔ وہ گداز تھی اور اب بھی اس قابل تھی کہ اس کے جسم کی خواہش کی جائے۔ جب بھی مرد اس کی طرف دیکھتے اسے اس بات کا احساس ہوتا۔ اس کا چہرہ بچکانہ اور آنکھیں چمکیلی اور معصوم تھیں جو اس کے لمبے اور بھاری بدن سے متضاد تھیں اسے معلوم تھا کہ اس کا یہ بدن گرم ہے اور لوگوں کو گویا اپنی طرف بلاتا ہے۔

شروع میں جب مارسل نے اسے اس سفر پر اپنے ہمراہ لے جانے کا ارادہ کیا تھا تو اسنے مخالفت کی تھی۔ وہ کافی عرصے سے اس کا ارادہ کر رہا تھا۔ اس وقت سے جب کہ لڑائی ختم ہوئی تھی اور بزنس پھر اپنے معمول پر واپس آگئی تھی۔ لڑائی سے پہلے جو چھوٹی سی بزنس اسنے قانون کی تعلیم چھوڑ کر اپنے والدین سے حاصل کی تھی اس سے اچھی خاصی آمدنی ہو جاتی تھی۔ ساحلی علاقے میں جوانی جتنی خوشی گذر سکتی ہے۔ مگر جسمانی کام کی طرف مارسل کی رغبت زیادہ نہیں تھی۔ اور جلد ہی اسنے اسے ساحل لے جانا بند کر دیا۔ صرف اتوار کی سہ پہر کو وہ اسے اپنی چھوٹی سی گاڑی میں گھمانے لے جاتا۔ باقی وقت وہ اپنی کپڑوں سے بھری ہوئی دوکان میں گذارنا پسند کرتا جو عربوں اور یورپینوں کے ایک مخلوط علاقے میں واقع تھی۔ دوکان کے اوپر تین کمروں کے ایک فلیٹ میں وہ دونوں رہتے تھے۔ ان کے کوئی اولاد نہیں تھی۔ ایک ایک کر کے کئی سال ان تین کمروں کے نصف تاریک ماحول میں چڑھی ہوئی جھلملیوں کے عقب میں گذر گئے اور موسم گرما کی تفریحیں۔ ساحل کی سیر۔ پکنکیں حتی کہ آسمان کی محض ایک جھلک

بھی گئی گذری باتیں ہوگئیں۔ مارسل کو سوائے بزنس کے کسی اور چیز سے دلچسپی نہیں تھی۔ اور ژمینین کو احساس ہوتا کہ مارسل کی سچی لگن دولت ہے اور نہ جانے کیوں اسے یہ لگن اچھی نہ لگتی حالانکہ اس میں اس کا اپنا فائدہ تھا کیونکہ کنجوسی تو درکنار وہ نشاہ خرچ تھا خاص کر اپنی بیوی کے اخراجات کے معاملے میں۔ وہ کہا کرتا تھا کہ "اگر مجھے کچھ ہوگیا تو تمہیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہوگی" مستقبل کی فکر کرنا ضروری ہے۔ مگر بنیادی ضروریات کے علاوہ اور بھی کچھ ضروریات ہوتی ہیں۔ ان ضروریات کو پورا کرنے کا انتظام کیسے کیا جا سکتا ہے؟ یہ سوال گاہے گاہے ایک مبہم انداز سے اس کے ذہن میں ابھرا کرتا۔ بہرحال اس اثنا میں وہ مارسل کی دوکان کے حساب کتاب میں مدد کرتی رہتی اور کبھی کبھار اس کی جگہ دوکان میں کام بھی کرتی۔ گرمیوں کا موسم سب سے زیادہ صبر آزما ہوتا جبکہ گرمی اکتاہٹ کے میٹھے احساس تک کا گلا گھونٹ دیتی۔

اور یہ گرمی کے موسم ہی میں ہوا کہ اچانک جنگ چھڑ گئی۔ مارسل کو فوج میں بھرتی ہونے کے لئے بلایا گیا۔ اور پھر بسبب خرابیٔ صحت اسے رد کر دیا گیا۔ کپڑے کی قلت ہوگئی۔ بزنس ٹھپ ہوگئی۔ اور تپتی ہوئی سڑکیں خالی خالی نظر آنے لگیں۔ ایسے میں مارسل کو اگر کچھ ہو جاتا تو ژمینین کو اپنے مستقبل کی فکر کرنی پڑتی۔ اس لئے جیو نہی کپڑا دوبارہ مارکیٹ میں نمودار ہوا مارسل نے سطح مرتفع کے شمالی علاقے کے دیہات کے دورے کا منصوبہ بنایا تاکہ بغیر کسی دلال کو بیچ میں ڈالے خود عرب سوداگروں کے ہاتھ مال فروخت کرے۔ وہ اسے اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔ ژمینین کو پتہ تھا کہ اس علاقے کا سفر مشکل ہے۔ اسے سانس کی شکایت بھی تھی۔ اس لئے وہ گھر چھوڑنا نہیں چاہتی تھی۔ لیکن مارسل ضد پر اتر آیا اور اس کی بیوی نے اس کی بات مان لی کیونکہ اس میں اتنا دم نہیں تھا کہ ڈٹ کر انکار کر سکے۔ اور اب جب کہ وہ اس سفر پر روانہ ہو چکے تھے اسے محسوس ہو رہا تھا کہ کوئی چیز بھی ویسی نہیں تھی جیسی کہ اسنے تصور کی تھی۔ وہ گرمی، مکھیوں کی یلغار اور گندے ہوٹلوں سے ڈرتی تھی۔ اسے ٹھنڈ۔ نشتر جیسی تیز ہوا اور ان قطبین سے مماثل مرتفع سطحوں کا خیال کبھی نہیں آیا تھا۔ اسنے پام کے درختوں اور نرم ریت کے خواب دیکھے تھے۔ لیکن وہ دیکھ رہی تھی کہ یہ صحرا اس کے تصور کے ریگستان سے بالکل مختلف تھا۔ یہاں تو بس پتھر تھے۔ ہر طرف پتھر۔ فضا پتھروں کی دھول سے اٹی ہوئی تھی کیکرانی

ہوئی ٹھنڈی دھول۔ اور زمین پر ان پتھروں کے درمیان سوئے، خشک گھاس کے اور کچھ بھی نہ اگتا تھا۔"

بس اچانک رک گئی۔ ڈرائیور نے بلند آواز سے اس زبان میں کچھ کہا جسے وہ ہمیشہ سے بغیر سمجھے سنتی آئی تھی۔ "کیا بات ہے؟" مارسل نے پوچھا۔ ڈرائیور نے اس دفعہ فرانسیسی میں کہا کہ کاربریٹر میں ریت گھس گئی ہوگی اور مارسل نے پھر اس ملک کو کوسا۔ ڈرائیور نے ٹھٹھا لگایا اور کہنے لگا کہ کوئی بات نہیں ہے۔ وہ ذرا سی دیر میں کاربریٹر صاف کرلے گا اور بس پھر روانہ ہوجائے گی۔ اس نے دروازہ کھولا تو ٹھنڈی ہوا کا ایک جھکڑ بس میں در آیا اور مسافروں کے چہروں پر ریت کے لاکھوں ذروں کا ایک تھپیڑا پڑا۔ عرب مسافروں نے خاموشی سے اپنے چہرے اپنے برنوسوں میں چھپا لئے اور سکڑ کر بیٹھ گئے۔ "دروازہ بند کر دو" مارسل چلایا۔ ڈرائیور دروازے کی طرف واپس آتے ہوئے ہنسا۔ اطمینان سے اس نے کچھ اوزار نکالے اور پھر کہر میں غائب ہو گیا، بغیر دروازہ بند کئے۔ مارسل نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا۔ "صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے اس نے اپنی تمام زندگی میں موٹر دیکھی تک نہیں۔" "چپ بھی رہو" ژینین نے کہا۔ یکایک وہ چونک پڑی۔ سڑک سے ذرا ہٹ کر بس کے قریب ہی ملبوس ہیولوں کی ایک قطار ساکت کھڑی تھی۔ ان کے برنوسوں کی ٹوپیوں کے نیچے اور نقابوں کے پیچھے صرف ان کی آنکھیں نظر آرہی تھیں۔ غیب سے ظہور میں آنے والے یہ لوگ چپ چاپ کھڑے بس کے مسافروں کو تک رہے تھے۔ "گڈریئے ہیں!" مارسل نے کہا۔

بس کے اندر مکمل خاموشی تھی۔ سارے مسافر گردنیں جھکائے ہوا کے زناٹے پر کان لگائے ہوئے تھے۔ یکایک ژینین کو اس بات کا احساس ہوا کہ بس میں اسباب تقریباً ہے ہی نہیں۔ جہاں ریل ختم ہوئی تھی اور جہاں وہ اس بس میں بیٹھے تھے وہاں ڈرائیور نے ان کا ٹرنک اور کچھ گٹھریاں بس کی چھت پر چڑھا دی تھیں۔ بس کے اندر سامان رکھنے کے ریکس میں سوائے چند ٹیڑھی میڑھی چھڑیوں اور کچھ سودا سلف کی ٹوکریوں کے کوئی اور چیز نہیں تھی۔ ظاہر تھا کہ جنوبی علاقے کے یہ تمام لوگ بغیر اسباب کے سفر کر رہے تھے۔

ڈرائیور واپس آرہا تھا۔ اس نے بھی اپنا چہرہ ایک نقاب سے چھپا رکھا تھا جس کے اوپر

اس کی ہنستی ہوئی آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔ اسنے اعلان کیا کہ بس جلد ہی روانہ ہو جائے گی جب اسنے دروازہ بند کر دیا تو گویا سماں خاموش ہو گئی اور کھڑکیوں پر ریت کی بارش کی آواز زیادہ صاف سنائی دینے لگی۔ بس کا موٹر کھانسا اور پھر چپ ہو گیا۔ آخر کار اسٹارٹر کی بہتری منت سماجت کے بعد موٹر نے سانس لیا۔ ڈرائیور نے ایکسیلریٹر کو پیر سے دبا کر اسے اچھی طرح جھنجھوڑ ڈالا۔ اور ایک بڑی سی ہچکی لے کر بس روانہ ہو گئی۔ گڈریوں کے ساکت غول میں سے ایک ہاتھ اٹھا اور گہر میں غائب ہو گیا۔ روانہ ہوتے ہی بس دھچکے کھانے لگی کیونکہ سڑک کا یہ حصہ اور بھی خراب تھا بس کے دھچکوں نے عرب مسافروں کو ہلا کر رکھ دیا وہ اب لگاتار جھوم رہے تھے۔ ژینین پر نیند کا غلبہ ہو رہا تھا کہ اچانک اس کے سامنے ایک پیلا ڈبہ نمودار ہوا جس میں لوزنجیز بھری ہوئی تھیں۔ گیدڑ نما سپاہی اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ اسنے ایک لمحہ تذبذب کیا۔ ایک ٹکیا اٹھائی اور سپاہی کا شکریہ ادا کیا۔ گیدڑ نے ڈبہ جیب میں رکھا اور ساتھ ہی اپنی مسکراہٹ کو بھی نگل گیا۔ اب وہ اپنی ناک کی سیدھ میں گذرتی ہوئی سڑک کو تک رہا تھا۔ ژینین مارسل کی طرف مڑی تو اسے صرف اس کی موٹی گردن کا عقبی حصہ نظر آیا۔ وہ کھڑکی میں سے گہرے ہوتے ہوئے گہر کو دیکھ رہا تھا۔

انہیں سفر کرتے کئی گھنٹے ہو چکے تھے اور تھکن نے بس کے اندر زندگی کے تمام آثار مٹا دیئے تھے کہ باہر سے شور و غل کی آواز آئی۔ برنوس اوڑھے ہوئے بچے بس کے ارد گرد ناچ رہے تھے۔ لٹوؤں کی طرح چکر لگا رہے تھے اور تالیاں بجا رہے تھے۔ بس اب ایک لمبی سڑک پر آ گئی تھی جس کے دونوں طرف چھوٹے چھوٹے مکانوں کی قطاریں تھیں۔ نخلستان شروع ہو رہا تھا۔ ہوا اب بھی تیز تھی مگر مکانوں کی دیواریں اب ریت کے ذروں کی راہ میں حائل تھیں اس لئے روشنی پہلے سے زیادہ تھی۔ لیکن آسمان پر ابھی تک بادل چھائے ہوئے تھے اس شور و غل اور بریکوں کی چیخ کے درمیان بس ایک محراب دار ہوٹل کے سامنے رک گئی جس کی کھڑکیاں گندی نظر آ رہی تھیں۔ ژینین بس سے اتری اور فٹ پاتھ پر پہنچتے ہی لڑکھڑا سی گئی۔ مکانوں سے پرے اسے ایک مینار نظر آیا۔ اس کے بائیں ہاتھ نخلستان کے اولیں پام کے درخت سربلند کھڑے تھے۔ اس کا جی چاہا کہ ان کی طرف چلے۔ دوپہر ہونے والی تھی مگر ٹھنڈ ابھی تک سخت تھی، اور ہوا

اس کے جسم میں جھرجھریاں پیدا کر رہی تھی۔ وہ مارسل کی طرف مڑی تو اسنے سپاہی کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ اس کا اندازہ تھا کہ وہ مسکرائے گا۔ یا اسے سلیوٹ کرے گا۔ مگر وہ بغیر اس کی طرف دیکھے گذرا اور نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ مارسل بس کی چھت پر رکھے ہوئے کپڑوں کے کالے ٹرنک کو اتروانے میں مشغول تھا۔ یہ کام آسان نہیں تھا کیونکہ سامان اتارنے والا صرف ایک شخص تھا۔۔۔ بس کا ڈرائیور۔۔۔ اور وہ بس کی چھت پر کھڑا ان عربوں کو لیکچر پلا رہا تھا جو بس کو گھیرے کھڑے تھے۔ ان چہروں میں گھری ہوئی جو ہڈیوں اور چمڑے سے بنے معلوم پڑ رہے تھے اور حلق کی گہرائیوں سے نکلتی ہوئی آوازوں سے محصور ژینین کو گھٹن کا شدید احساس ہوا۔ "میں اندر جا رہی ہوں۔" اس نے مارسل سے کہا جو بے صبری سے ڈرائیور کو ڈانٹ رہا تھا۔

وہ ہوٹل میں داخل ہوئی تو ہوٹل کے منیجر نے جو ایک دبلا پتلا کم گو فرانسیسی تھا اس کا خیر مقدم کیا۔ وہ اسے دوسری منزل پر ایک بالکونی میں لے گیا جہاں سے سڑک نظر آ رہی تھی اور وہاں سے ایک کمرے میں جس میں صرف ایک لوہے کا پلنگ۔ ایک لوہے کی اینیمل شدہ کرسی۔ ایک بغیر پردے کی کپڑوں کی الماری اور ایک سلیفی رکھی ہوئی تھی جس پر دھول کی ایک تہہ جمی ہوئی تھی۔ جب منیجر دروازہ بند کر کے چلا گیا تو ژینین کو ایسا محسوس ہوا کہ گویا کمرے کی ننگی دیواریں ٹھنڈ اگل رہی ہیں۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ اپنا تھیلا کہاں رکھے اور اپنے لئے کون ٹھکانہ منتخب کرے۔ وہ یا تو لیٹ جاتی اور یا کھڑی رہتی۔ مگر بہر صورت کپکپاتی رہتی۔ اسنے کھڑے رہنے کے حق میں فیصلہ کیا اور اپنا تھیلا تھامے رہی۔ اس کی نظریں ایک پتلی سی کھڑکی پر جم گئیں جو چھت کے قریب تھی اور جس میں سے آسمان نظر آ رہا تھا۔ وہ انتظار کر رہی تھی مگر اسے یہ تک نہیں معلوم تھا کہ کاہے کا۔ اسے صرف اپنی تنہائی، بدن میں سرایت کرتی ہوئی ٹھنڈ اور دل کے علاقے میں ایک قسم کے بوجھ کا احساس تھا۔ دراصل وہ خوابوں میں کھوئی ہوئی تھی۔ اس کے کان سڑک سے بلند ہوتی ہوئی آوازوں کو نہیں سن رہے تھے جن میں مارسل کی غصیلی آواز بھی شامل تھی۔ ان آوازوں سے زیادہ اس کے کان اس آواز کو سن رہے تھے جو چھت کے قریب والی کھڑکی میں سے آ رہی تھی۔ اسے یہ آواز کسی بہتے ہوئے دریا کی آواز معلوم پڑ رہی تھی۔ لیکن دراصل یہ آواز پام کے درختوں میں سے گذرتی ہوئی ہوا پیدا کر رہی تھی۔ ان درختوں میں سے جو اب اسے اتنے قریب محسوس ہو رہے تھے پھر ہوا

تیز ہو گئی اور لہروں کی نرم آواز موجوں کے شور میں تبدیل ہو گئی۔ اس کے تصور نے اسے ایک منظر دکھایا جس میں کمرے کی دیواروں کے اُس طرف پام کے سیدھے مگر جھک سکنے والے درختوں کا ایک سمندر طوفان میں موجیں مار رہا تھا۔ یہاں کی کوئی چیز بھی ویسی نہیں تھی جیسی اس کے تصور نے اسے دکھائی تھی مگر ان غیر مرئی موجوں نے اس کی تھکی ہوئی آنکھوں کو فرحت بخشی تھی۔ وہ کھڑی ہوئی تھی۔ اس کا بدن اُسے بھاری لگ رہا تھا۔ اسنے اپنے ہاتھ ڈھیلے چھوڑ رکھے تھے وہ ذرا سا آگے کو جھکی ہوئی تھی۔ اور ٹھنڈ اس کی موٹی ٹانگوں کے راستے اس کے بدن میں سرایت کر رہی تھی۔ وہ سیدھے مگر جھک سکنے والے پام کے درختوں اور اس لڑکی کے خواب دیکھ رہی تھی جو وہ کسی زمانے میں تھی۔

ہاتھ منہ دھو کر وہ دونوں کھانے کے کمرے میں پہنچے جس کی ننگی دیواروں پر اونٹوں اور پام کے درختوں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ کھانے کے کمرے کی کھڑکیوں کے راستے صحن کے باہر محراب بنے ہوئے تھے مدھم سی روشنی اندر آ رہی تھی۔ مارسل نے منیجر سے مقامی تاجروں کے بارے میں کچھ سوالات کئے۔ اس کے بعد ایک عمر رسیدہ عرب نے جو اپنے کوٹ پر ایک تمغہ لگائے ہوئے تھا ان کا کھانا لگایا۔ مارسل نے جس کا ذہن کہیں اور تھا روٹی کے کئی ٹکڑے کر ڈالے۔ اسنے اپنی بیوی کو پانی نہیں پینے دیا۔ "پانی ابلا ہوا نہیں ہے۔ شراب بہتر رہے گی۔" مگر وہ شراب پینا نہیں چاہتی تھی۔ کیونکہ شراب پی کر اسے نیند آنے لگتی تھی۔ علاوہ ازیں کھانے میں سور کا گوشت بھی شامل تھا۔ "یہ لوگ سور کا گوشت اس لئے نہیں کھاتے کہ قرآن (پاک) نے اس کی ممانعت کی ہے۔ مگر انہیں یہ نہیں معلوم کہ اچھی طرح سے پکا ہوا سور کا گوشت مضرِ صحت نہیں ہوتا۔ تم کیا سوچ رہی ہو؟" ژینین کوئی خاص بات نہیں سوچ رہی تھی۔ یا شاید مارسل نے سور کے گوشت کے بارے میں جو کچھ کہا تھا اس کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ بہرحال اسے کھانا جلد ختم کرنا تھا کیونکہ کل صبح انہیں پھر سفر پر روانہ ہونا تھا۔ اور آج دوپہر کو یہاں کے سارے بڑے تاجروں سے ملنا تھا۔ مارسل نے عمر رسیدہ عرب سے کہا کہ وہ جلدی کافی لائے۔ عرب نے گردن کے اشارے سے مارسل کی بات کا جواب دیا اور چلا گیا۔ "صبح کے وقت آہستہ آہستہ اور دوپہر کو بہت تیز نہیں۔"

مارسل نے ملتے ہوئے کہا۔ آخر کار کافی آگئی۔ انہوں نے اسے جلدی جلدی پیا اور ٹھنڈی گرد آلود سڑک پر آگئے۔ مارسل نے ایک نوجوان عرب اجر ت کے بارے میں تھوڑی سی حیل حجت کے بعد اس کی مدد سے ٹرنک اٹھایا۔ ان معاملات میں مول بھاؤ کرنا اس کا اصول تھا۔ اس کی رائے جس کا اظہار وہ کئی بار ژنیین سے کر چکا تھا۔ اس اصول پر مبنی تھی کہ یہ لوگ دوگنی مزدوری مانگتے ہیں اس امید پر کہ معاملہ ایک چوتھائی پر ہو جائے گا۔ ژنیین مارسل اور نوجوان عرب کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی جو ٹرنک اٹھائے ہوئے تھے۔ اسے کوٹ کے نیچے ایک اونی پوشاک پہن رکھی تھی اور اسے احساس ہو رہا تھا کہ ان کپڑوں میں وہ زیادہ موٹی نظر آ رہی ہے۔ اس کے علاوہ سور کا گوشت کھانے اور تھوڑی سی شراب پینے کی وجہ سے اسے الجھن ہو رہی تھی۔

یہ لوگ ایک پبلک باغ کے برابر برابر چل رہے تھے جس میں گرد آلود درخت کھڑے تھے۔ راستے میں انہیں کئی عرب ملے جو ان کے راستے سے یوں ہٹ جاتے جیسے انہوں نے انہیں دیکھا ہی نہیں اور اپنے برنوس اپنے گرد لپیٹ لیتے۔ ان میں سے ان لوگوں کے چہروں پر بھی جو چیتھڑوں میں تھے ژنیین کو ایک قسم کا وقار نظر آیا جو اسے اپنے قصبے کے عربوں کے چہروں پر کبھی نظر نہیں آیا تھا۔ وہ ٹرنک کے پیچھے چلتی رہی جو بھیڑ میں اس کے لئے راستہ بنا رہا تھا۔ یہ لوگ قصبے کے دروازے سے گذر کر جو مٹی کی فصیل میں بنا ہوا تھا۔ ایک چھوٹے سے چوک میں آئے جس کے کنارے کنارے ویسے ہی درخت لگے ہوئے تھے جیسے کہ انہوں نے باغ میں دیکھے تھے اور جس کے سب سے آخری سرے پر محراب دار دکانیں تھیں۔ مگر یہ لوگ چوک کے بیچ میں ایک ایسی چھوٹی سی عمارت کے سامنے رک گئے جو توپ کے گولے سے مشابہ تھی اور جو نیلی پتی ہوئی تھی۔ عمارت صرف ایک کمرے پر مشتمل تھی اور اس ایک کمرے کے اندر جس میں روشنی صرف دروازے کے راستے آ رہی تھی ایک بوڑھا عرب جس کی مونچھیں سپید تھیں ایک چمکیلے تختے کے پیچھے کھڑا ہوا تھا وہ بہت سے چھوٹے چھوٹے رنگ برنگے گلاسوں میں چائے انڈیل رہا تھا۔ قبل اس کے کہ انہیں کچھ اور نظر آئے مارسل اور ژنیین کا پودینہ ملی ہوئی چائے کی خوشبو نے خیر مقدم کیا۔ مارسل جو چوکھٹ پار کر کے لٹکی ہوئی چائے دانیوں، پیالیوں اور تھالیوں سے اپنے سر کو بچاتے ہوئے کاونٹر کے سامنے آ گیا۔ ژنیین دروازے پر ہی رہی۔ اور ذرا ہٹ کر کھڑی ہو گئی تاکہ روشنی نہ رکے۔ اسے کمرے کی تاریکی میں معمر عرب کے پیچھے دو

اداعرب نظر آئے جو ان کی طرف دیکھ کر مسکرا رہے تھے اور جو ان ٹھنسے ہوئے بوروں پر بیٹھے ہوئے تھے جن سے دکان کا عقبی حصہ بھرا ہوا تھا۔ لال اور کالے قالین اور کڑھے ہوئے لمبے رومال دکان کی دیواروں پر لٹک رہے تھے۔ فرش بوریوں اور خوشبودار بیجوں سے بھرے ہوئے چھوٹے بکسوں سے اٹا ہوا تھا۔ کاؤنٹر پر ایک چمکتی ہوئی ترازو اور ایک گز کے پاس جس کے سِرے سے اور نشان گھس چکے تھے۔ مٹی کے کوزوں کی ایک قطار لگی ہوئی تھی۔ ان میں سے ایک پر سے وہ کھردرا نیلا کاغذ اتار دیا گیا تھا جس میں یہ لپٹا ہوا تھا اور اس کا اوپری حصہ کاٹا جا چکا تھا۔ جب معمر تاجر نے چائے دانی رکھ کر ان کو سلام کیا تو ان کے نتھنوں میں چائے کی خوشبو کے بعد اون اور مصالحوں کی خوشبو بھی آئی۔

مارسل اپنی مخصوص کاروباری دھیمی آواز میں تیز تیز بول رہا تھا۔ اسنے ٹرنک کھولا۔ اور ترازو اور گز کو کھسکا کر اونی اور ریشمی کپڑے معمر تاجر کے سامنے پھیلا دیئے۔ بات کرتے کرتے اسے ذرا سا جوش آگیا۔ اسنے اپنی آواز ذرا بلند کی اور ان عورتوں کی طرح ہنسا جو مردوں کو متاثر کرنا چاہتی ہیں مگر جنہیں اپنے اوپر بھروسہ نہیں ہوتا۔ اب وہ اپنے ہاتھ پھیلا کر وہ حرکتیں کر رہا تھا جو وہ خرید و فروخت کے وقت کرتا تھا۔ معمر تاجر نے اپنا سر ہلایا۔ وہ ٹرے جس پر چائے کے گلاس رکھے ہوئے تھے ان دو عربوں کو تھمائی جو اس کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے اور ایک آدھ بات ایسی کہی جسے سنکر مارسل نے ہمت ہار دی۔ اس نے کپڑے اٹھائے انہیں واپس ٹرنک میں رکھا اور پیشانی پر پسینہ پونچھنے کے انداز میں ہاتھ پھیرا حالانکہ وہاں پسینے کا ایک قطرہ بھی نہیں تھا۔ اسنے حمال کو بلایا اور وہ لوگ چوک کے محرابوں والے حصے کی طرف چل دیئے۔ اس حصے کی پہلی دکان میں انہیں کچھ کامیابی ہوئی۔ حالانکہ اس دکان کے مالک نے بھی شروع میں مارسل کو گھاس نہیں ڈالی۔ "اپنے کو خدا سمجھتے ہیں یہ لوگ!" مارسل نے کہا۔ "بہرحال یہ لوگ بھی تجارت کرتے ہیں۔ زندہ رہنا سبھی کے لئے مشکل ہے۔"

بغیر جواب دیئے ژینین اس کے پیچھے چلتی رہی۔ ہوا اب قریب قریب بند ہو چکی تھی۔ آسمان جگہ جگہ سے صاف ہو رہا تھا۔ اور گھنے بادلوں میں جو روزن پیدا ہو رہے تھے ان میں سے ٹھنڈی اور تیز روشنی پھوٹ رہی تھی۔ یہ لوگ چوک کو پیچھے چھوڑ آئے تھے اور اب تنگ گلیوں میں مٹی کی دیواروں کے سائے میں آگے بڑھ رہے تھے جن سے اوپر سوکھے ہوئے سرمائی گلاب اور کہیں کہیں سوکھے، کیڑے پڑے انار لٹک رہے تھے۔ دھول اور کافی کی بو، جلتی ہوئی لکڑیوں

کا دھواں اور بکریوں اور بھیڑوں کی بدبو اس محلے میں بسی ہوئی تھی۔ یہاں دو کانیں ایک دوسرے سے دور تھیں۔ ژینین کے پیروں میں خون جمنے لگے تھے مگر اس کا شوہر خوش تھا کیونکہ اب اس کی بکری ہو رہی تھی۔ اس نے ژینین کو "بے بی" کہہ کر مخاطب کیا۔ سفر بے سود نہیں ثابت ہوگا۔" ظاہر ہے" ژینین نے بے تعلقی سے کہا:" کہ ان لوگوں سے براہ راست معاملہ کرنا بہتر ہے۔"

وہ ایک اور راستے سے چوک میں واپس آئے۔ شام ہونے والی تھی اور مطلع اب بالکل صاف تھا۔ وہ تھوڑی دیر چوک میں رکے۔ مارسل اب مسرور تھا اور کپڑوں کے ٹرنک کو پیار سے دیکھ رہا تھا۔" ذرا دیکھنا" ژینین نے کہا۔ چوک کے دوسرے سرے سے ایک طویل القامت عرب ان کی طرف آرہا تھا۔ اس کا بدن پتلا دبلا مگر مضبوط تھا۔ وہ ایک آسمانی رنگ کی برنوس اوڑھے ہوئے تھا اور بھورے رنگ کے جوتے اور دستانے پہنے ہوئے تھا۔ وہ اپنا سخت لمبوترا چہرہ اٹھائے ہوئے چل رہا تھا اور ان مقامی معاملات سے متعلقہ فرانسیسی افسروں سے مشابہ تھا جو کبھی کبھار ژینین کو اچھے لگتے تھے۔ وہ ثابت قدمی سے ان کی طرف بڑھ رہا تھا، مگر جس وقت اس نے آہستہ سے ایک ہاتھ سے دستانہ اتارا تو ایسا لگا گویا وہ ان سے پرے کسی چیز کو دیکھ رہا ہے۔ مارسل نے اپنے کندھے اچکاتے ہوئے کہا:" یہ تو گویا اپنے کو جنرل سمجھتا ہے۔" یہ صحیح تھا کہ یہاں کے سارے عرب مغرور نظر آتے تھے مگر اس نے تو گویا حد کر دی تھی؛ حالانکہ وہ چوک کے بیچ میں تھے اور ان کے چاروں طرف کافی جگہ خالی تھی مگر وہ عرب سیدھا ٹرنک کی طرف بڑھ رہا تھا۔ بغیر اس پر یا ان پر نظریں ڈالے ہوئے۔ اور جب ان کے اور اس عرب کے درمیان فاصلہ تیزی سے کم ہونے لگا اور عرب ان کے سروں پر آپہنچا تو مارسل نے ایک دم ٹرنک کا کنڈا پکڑ کر اسے اس کے راستے میں سے ہٹا دیا۔ عرب ان کے پاس سے ایسے گزر گیا گویا اس نے کچھ دیکھا ہی نہیں اور اسی ثابت قدمی سے فصیل کی طرف بڑھنے لگا۔ ژینین نے اپنے شوہر کی طرف دیکھا اس کے چہرے پر شکست خوردگی چھا چکی تھی۔" اب تو یہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بالکل من مانی کر سکتے ہیں!" اس نے کہا۔ ژینین چپ رہی۔ اسے عرب کی بے ہودہ رعونت پر غصہ آ رہا تھا اور یکایک وہ رنجیدہ ہوگئی۔ اس کا جی چاہا کہ یہاں سے واپس چلی جائے اور اس خواہش کے ساتھ ہی اسے اپنے چھوٹے سے فلیٹ کا خیال آیا۔ مگر ہوٹل کے اس برف جیسے ٹھنڈے کمرے میں واپس جانے

کے خیال ہی نے اس کی ہمت پست کر دی۔ اچانک اسے یاد آیا کہ ہوٹل کے منیجر نے اسے رائے دی تھی کہ قلعہ کی چھت پر سے صحرا کا نظارہ ضرور کرنا۔ اس نے مارسل سے اس کا ذکر کیا اور کہا کہ وہ ٹرنک کو ہوٹل میں چھوڑ کر آ سکتا ہے۔ مگر وہ تھکا ہوا تھا اور رات کے کھانے سے پہلے ایک نیند لینا چاہتا تھا۔ لیکن جب ژنین نے ملتجیانہ لہجہ اختیار کیا تو اس نے ہمہ تن متوجہ ہو کر اس کی طرف دیکھا۔ "ضرور۔ میری جان!" اسنے کہا

وہ ہوٹل کے سامنے والی سڑک پر اس کا انتظار کر رہی تھی۔ عربوں کی بھیڑ بڑھ رہی تھی۔ ان میں سے ایک بھی عورت نہیں تھی۔ اور ژنین کو محسوس ہوا گویا اس نے کبھی بھی اتنے بہت سے مرد یکجا نہیں دیکھے۔ مگر ان میں سے ایک نے بھی اس کی طرف نہیں دیکھا۔ بس کچھ تو دبلے تپے ہوئے پتلے چہرے اس کی طرف موڑے مگر ایسے گویا وہ اسے نہیں دیکھ رہے ہیں۔ باوصف ان چہروں کے یہ سب لوگ اسے ایک سے لگتے تھے۔ یہ چہرے اس فرانسیسی سپاہی کے چہرے سے جسے اسنے بس میں دیکھا اور اس عرب کے چہرے سے جو دستانے پہنے ہوئے تھا مشابہ تھے۔ یہ چہرے بیک وقت چالاک تھے اور مغرور۔ ان کے یہ چہرے اس پردیسی عورت کے لئے مخصوص ہیں۔ یہ اسے دیکھتے نہیں۔ خاموش اور سبک خرام یہ اس کے آس پاس سے گذر جاتے ہیں۔ جب کہ وہ یہاں تھکی کھڑی ہے۔ اس کی بے آرامی اور اس جگہ سے چلے جانے کی خواہش شدت اختیار کرنے لگی۔ "میں کیوں آئی یہاں؟" مگر سامنے سے مارسل آ رہا تھا۔

جب وہ سیڑھیاں چڑھ کر قلعے میں پہنچے تو پانچ بج رہے تھے۔ ہوا بالکل بند ہو چکی تھی اور بالکل صاف آسمان سبزی مائل نیلا تھا۔ ٹھنڈ اب زیادہ خشک تھی جس کی وجہ سے ان کے چہروں میں جلن سی ہو رہی تھی۔ ابھی انہوں نے آدھا زینہ طے کیا تھا کہ انہیں ایک بڈھا عرب ملا جو دیوار سے لگا کھڑا تھا اور جس نے ان سے پوچھا کہ انہیں گائڈ کی ضرورت تو نہیں مگر جو اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں گویا اسے ان کے انکار کا پہلے سے یقین تھا۔ زینہ لمبا اور تنگ تھا مگر جیسے جیسے وہ اوپر چڑھتے گئے زینہ چوڑا ہوتا گیا اور ٹھنڈی خشک روشنی پھیلتی گئی جس میں سے چھن چھن کر نخلستان سے آنے والی ہر آواز ان تک صاف پہنچتی رہی۔ خشک اور صاف ہوا ان کے گرد لہریں لے رہی تھی اور یہ لہریں جوں جوں وہ آگے بڑھ رہے تھے پھیلتی جا رہی تھیں گویا ان کی رفتار

روشنی کے آئینے سے ٹکرا کر آواز کی ان لہروں کو پیدا کر رہی تھی جو حلقہ بہ حلقہ پھیل رہی تھیں۔ جیونہی وہ چھت پر پہنچے اور ان کی نظریں بام کے درختوں کے جھنڈ کے اس پار پھیلے ہوئے وسیع افق میں کھو گئیں۔ ژینین کو ایسا محسوس ہوا گویا سارا آسمان ایک مختصر مگر تیز سُر سے گونج اٹھا جس کی بازگشت سے اس کے اوپر منڈلاتی ہوئی خلا آہستہ آہستہ پُر ہو گئی۔ پھر اچانک یہ سُر مر گیا اور اسے خاموشی سے اپنے سامنے پھیلی ہوئی وسعت کا نظارہ کرتے چھوڑ گیا جس کی حدیں نہیں مل رہی تھیں۔ اس کی نظریں بغیر کسی سے شے سے ٹکرائے ایک مکمل قوس کے سہارے مشرق سے مغرب کی طرف آہستہ آہستہ پھرتی رہیں۔ نیچے قصبے کے غربی حصے کی نیلی اور سپید چھتیں ایک دوسرے سے کندھے ملائے دراز تھیں اور ان پر سیاہی مائل سرخ گول مرچیں پڑی سوکھ رہی تھیں۔ ایک انسان بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ مگر مکانوں کے صحنوں سے بھنتی ہوئی کافی کی خوشبو کے ساتھ قہقہوں اور پیر پٹخنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ مکانوں سے آگے بام کے درختوں کے جھنڈ کا بالائی حصہ جسے مٹی کی دیواریں کھڑی کر کے چھوٹے بڑے مربعوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ اس ہوا میں جھوم رہا تھا جو قلعے کی چھت پر محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ اس سے بھی آگے مٹیالے اور ہلکے کالے رنگ کے پتھروں کی دنیا پھیلی ہوئی تھی جس کی حدیں افق سے مل رہی تھیں اور جس میں زندگی کے کوئی بھی آثار نہیں تھے۔ مگر نخلستان سے کچھ دور۔ اس وادی کے قریب جو بام کے جھنڈ کے مغربی سمت پھیلی ہوئی تھی کچھ کالے بڑے خیمے نظر آرہے تھے۔ ان خیموں کے چاروں طرف عربی النسل اونٹوں کا ایک ریوڑ ساکت کھڑا تھا۔ یہ اونٹ قلعے کی چھت سے ننھے منے نظر آرہے تھے۔ اور ہلکی کالی زمین کے پس منظر میں کسی ایسے دستخط کے کالے حروف لگ رہے تھے جس کے معنی ابھی تک سمجھے نہیں گئے۔ ریگستان کے اوپر چھائی ہوئی خاموشی ویسی ہی بیکراں تھی جیسا کہ خلاء۔

اپنے سارے بدن کو منڈیر پر جھکائے ہوئے خاموش ژینین اپنے سامنے پھیلے ہوئے خلاء میں کھو گئی تھی۔ مگر اس کے پاس کھڑا ہوا مارسل بے کل ہو رہا تھا۔ اُسے ٹھنڈ لگ رہی تھی۔ اور وہ واپس جانا چاہتا تھا۔ یہاں دیکھنے کے قابل تھا ہی کیا؟ مگر ژینین کی نظریں افق پر جمی ہوئی تھیں۔ اسے یکایک ایسا محسوس ہوا گویا بہت دور۔ اور بھی جنوب میں۔ اس نقطے پر جہاں زمین اور آسمان ایک تاریک لکیر کی صورت میں مل رہے تھے کوئی ایسی شے اس کا انتظار کر رہی تھی جو

اس کی زندگی سے ہمیشہ غائب رہی مگر جس کا احساس اسے اس وقت سے پہلے کبھی نہیں ہوا۔ ڈھلتی ہوئی سہ پہر کی روشنی زرد پڑ رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ایک عورت کے دل میں وہ ایک گانٹھ جو اتفاقیہ پڑ گئی تھی اور جسے وقت، عادت اور اکتاہٹ نے کس دیا تھا۔ آہستہ آہستہ ڈھیلی پڑنے لگی تھی۔ وہ خانہ بدوشوں کے پڑاؤ کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ان خیموں میں رہنے والے لوگوں کو اس نے دیکھا تک نہیں تھا۔ ان کالے خیموں میں حرکت کے کوئی بھی آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ مگر پھر بھی اس کے ذہن پر یہی خانہ بدوش چھائے ہوئے تھے جن کے وجود کا علم اسے آج سے پہلے نہیں ہوا تھا۔ بے گھر۔ دنیا سے بے تعلق۔ یہ مٹھی بھر لوگ اس وسیع و عریض علاقے میں مارے مارے پھرتے ہیں جو اس وقت اس کی نظروں کے سامنے تھا اور جو اس سے بھی زیادہ وسیع اور عریض خطے کا محض ایک حصہ تھا۔ اس وسیع و عریض خطے کا جس کی جکڑ دینے والی حدیں کئی ہزار میل جنوب تک پھیلی ہوئی ہیں۔ جہاں ایک دریا ایک جنگل کی آبیاری کرتا ہے۔ ابتدائے آفرینش سے اس بے کنار خطے کی خشک اور ننگی زمین پر کچھ انسان بادیہ پیما رہے ہیں۔ ان انسانوں کی ملکیت اور ان کے مقبوضات کچھ بھی نہیں مگر انہوں نے کبھی کسی کی غلامی قبول نہیں کی۔ یہ غربت زدہ اس نرالی بادشاہت کے آزاد حکمراں رہے ہیں۔ نہ جانے کیوں اس خیال نے ژنین کے سارے وجود کو ایک اتنے میٹھے اور عمیق غم سے پر کر دیا کہ اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ اسے معلوم تھا کہ یہ بادشاہت ابدی طور سے اسے موعود کی گئی ہے مگر اسے یہ بھی معلوم تھا کہ یہ بادشاہت دراصل کبھی بھی اس کی نہ ہوگی۔ شاید سوائے اس مختصر لمحے کے جس میں اس نے آنکھیں کھول کر دوبارہ ٹھہری ہوئی روشنی کی ان لہروں کو دیکھا جو ساکت آسمان سے آ رہی تھیں۔ اور جس میں قصبے کے عربی حصے سے آنے والی آوازیں یکایک بند ہو گئی تھیں۔ اسے ایسا محسوس ہوا گویا کرۂ زمین نے ابھی ابھی اپنی گردش بند کر دی ہے اور گویا اس لمحے کے بعد نہ تو کسی کی عمر میں اضافہ ہوگا اور نہ کسی کو موت آئے گی۔ اس لمحے کے بعد ہر طرف زندگی رک سی گئی تھی سوائے اس کے دل کے جہاں اسی لمحے کوئی تکلیف اور حیرت سے گریہ گناں تھا۔

مگر جلد ہی ٹھیری ہوئی روشنی میں حرکت پیدا ہوئی اور حرارت سے عاری سورج غروب ہونے لگا جس کی وجہ سے افق کا مغربی حصہ سرخ ہو گیا۔ مشرق میں ایک عظیم سیاہ موج اس تیاری

سے ابھی ذرا آہستہ آہستہ سارے آسمان پر پھیل جائے گی۔ ایک کتا کہیں دور بھونکا۔ اور اس کی آواز
اس ہوا میں ابھری جواب اور بھی ٹھنڈی ہو گئی تھی۔ ژینین نے نوٹس کیا کہ اس کے دانت بج رہے
ہیں۔ "ہمیں ٹھنڈ لگ جائے گی۔" مارسل نے کہا "تم نری بے وقوف ہو۔ چلو اب واپس چلیں۔"
اسنے جھجکتے ہوئے ژینین کا ہاتھ پکڑا اور ژینین بغیر کسی مزاحمت کے منڈیر سے ہٹ کر اس کے پیچھے
ہولی۔ اس بڈھے عرب نے جو زینے میں کھڑا تھا۔ انہیں نیچے اتر کر قصبے کی طرف جاتے ہوئے دیکھا مگر
وہ اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں۔ وہ بغیر کسی کو دیکھے ہوئے چل رہی تھی۔ ایک بھاری تھکن نے اچانک اسے
دبوچ لیا تھا اور وہ اپنے بدن کو جس کا بوجھ اسے ناقابل برداشت معلوم ہو رہا تھا گھسیٹ رہی
تھی۔ احساسات کی جو رفعت اسنے تھوڑی دیر قبل محسوس کی تھی ختم ہو چکی تھی اور اب اسے محسوس
ہو رہا تھا کہ اس دنیا کے لئے جس میں وہ ابھی ابھی داخل ہوئی تھی اس کا قامت زیادہ بلند تھا۔ اس کا
جسم زیادہ گداز تھا اور اس کا رنگ زیادہ سپید تھا۔ اس دنیا کی زمین پر تو صرف کوئی بچہ۔ کوئی
لڑکی۔ کوئی سوکھا ساکھا انسان کوئی درد مند گیدڑ خاموش قدموں سے چل سکتا ہے۔ سوئے
اپنے تئیں خواب کی طرف۔ موت کی طرف گھسیٹنے کے وہ اب وہاں اور کیا کرے گی۔

فی الواقعہ وہ اپنے تئیں ہوٹل کی طرف گھسیٹ رہی تھی۔ اس کا شوہر سوائے اپنی تھکن کا
رونا رونے کے اچانک گونگا ہو گیا تھا۔ وہ سردی کے خلاف کمزور مزاحمت کر رہی تھی اور
اسے بخار چڑھتا محسوس ہو رہا تھا۔ پھر اسنے اپنے تئیں اپنے بستر کی طرف گھسیٹا جہاں تھوڑی دیر بعد
مارسل بھی آ گیا۔ اسنے بغیر اپنی بیوی سے کسی قسم کی بات کئے لیٹتے ہی بجلی بجھا دی۔ کمرہ بہت ٹھنڈا
تھا۔ وہ سردی کو اپنے بدن میں سرایت کرتے ہوئے محسوس کر رہی تھی اور اس کا بخار تیز ہو رہا
تھا۔ اسے سانس لینے میں تکلیف ہو رہی تھی۔ اس کے دل سے خون کا جو فوارہ چھوٹ رہا تھا وہ اس
کے بدن کو حرارت نہیں پہنچا رہا تھا۔ اس کے اندر ایک قسم کا خوف بیدار ہو رہا تھا۔ اسنے کروٹ
بدلی تو پرانا لوہے کا پلنگ کراہا۔ وہ بیمار پڑنا نہیں چاہتی تھی۔ اس کا شوہر سو گیا تھا۔ اسے بھی سونا
چاہئے۔ نیند ضروری ہے۔ کھڑکی نما درازوں میں سے قصبے کی مبہم آوازیں اس تک آ رہی تھیں۔ موری
قہوہ خانوں میں پرانے گراموفون سے ایسی دھنیں نکل رہی تھیں جنہیں وہ کچھ کچھ پہچانتی تھی۔ یہ دھنیں
کسی سست رو مجمع کی آوازوں پر سوار اس تک پہنچ رہی تھیں۔ اسے سونا چاہئے۔ مگر وہ تو گنے

خیمے گن رہی تھی۔ اس کے پپوٹوں کے پیچھے ساکت اونٹ چر رہے تھے۔ اور اس کے اندر بیکراں تنہائیاں زنانے بھر رہی تھیں۔ وہ یہاں کیوں آئی؟ جب وہ اس سوال پر پہنچی تو اسے نیند آ گئی۔

تھوڑی دیر بعد ہی اس کی آنکھ کھل گئی۔ کمرے میں مکمل خاموشی تھی مگر قصبے کے باہر کتے بے آواز رات میں بھوک رہے تھے۔ ژنیتین نے جھرجھری لی۔ اسنے کروٹ بدلی تو اس کے شوہر کا سخت کاندھا اس کے بدن سے لگا اور وہ یکایک نیم خوابی کی حالت میں اس سے لپٹ گئی۔ وہ بغیر ڈوبے ہوئے نیند کی سطح پر بہہ رہی تھی: اور اپنے شوہر کے کاندھے سے غیر شعوری طور پر ایسے چمٹی ہوئی تھی گویا اس کی سلامتی اسی میں تھی۔ وہ بول رہی تھی مگر اس کے منہ سے کسی قسم کی بھی آواز نہیں نکل رہی تھی؛ وہ بول رہی تھی مگر اس کے کانوں تک کو پتہ نہیں تھا کہ وہ کیا کہہ رہی تھی۔ وہ صرف مارسل کے بدن کی حرارت کو محسوس کر رہی تھی۔ بیس سال سے زیادہ ہونے آتے ہیں کہ ہر رات۔ اسی طرح۔ اس کے جسم کی حرارت کو محسوس کرتے ہوئے ۔ صرف وہ دو ۔ چاہے بیماری ہو۔ چاہے سفر جیسا کہ اس وقت . . . . . . وہ گھر پر اکیلے رہ کر کرتی بھی کیا؟ ان کے کوئی بچے بھی تو نہ تھا! اس کی زندگی میں جو کمی تھی وہ کہیں بچے کی تو نہ تھی؟ وہ یقین سے نہیں کہہ سکتی تھی۔ وہ تو صرف مارسل کے ساتھ لگی رہتی تھی اس خیال سے خوش کہ کسی کو اس کی ضرورت ہے۔ مارسل سے اسے جو مسرت حاصل ہوتی تھی وہ بس اس بات کی آگہی تھی کہ وہ اپنے شوہر کے لئے ضروری ہے۔ شاید وہ اس سے محبت نہیں کرتا۔ نفرت سے بھرپور محبت کا منہ بھی اتنا پھولا ہوا نہیں ہوتا۔ مارسل کا چہرہ ہے کس قماش کا؟ وہ اندھیرے میں بغیر ایک دوسرے کو دیکھے ہوئے ٹٹول ٹٹول کر محبت کا فعل انجام دیتے تھے۔ کیا اس محبت کے علاوہ جو تاریکی میں کی جاتی ہے کوئی اور محبت بھی ہے۔ ایسی محبت جو دن کی روشنی میں چیخ اٹھے؟ اسے معلوم نہیں تھا مگر اسے یہ پتہ تھا کہ مارسل کو اس کی ضرورت ہے اور یہ ضرورت خود اس کے لئے ضروری اور اہم ہے۔ اور یہ کہ وہ دن رات اسی ضرورت کے سہارے زندہ رہتی ہے۔ خاص کر رات کو ـــــ ہر رات کو جب کہ وہ تنہائی سے گھبراتا ہے اور عمر ہو کر مر جانے کے خیال سے خوف کھاتا ہے جبکہ اس کے چہرے پر وہ سدھی ہوئی کیفیت طاری ہو جاتی جسے اسنے کبھی کبھار دوسرے مردوں کے چہرے پر بھی دیکھا تھا۔ وہ واحد مشترک کیفیت جو ان پاگل انسانوں کے چہروں پر طاری ہوتی ہے جو عقلمندی کا سوانگ بھرے رہتے ہیں

حتیٰ کہ پاگل پن ان پر مکمل طور سے قابو پا لیتا ہے اور انہیں کسی عورت کے جسم کی طرف ڈھکیل دیتا ہے تاکہ وہ اس جسم میں۔ بغیر کسی خواہش کے۔ ہر وہ ڈراؤنی چیز دفن کر دیں جو تنہائی اور لات انہیں دکھاتی ہے۔

مارسل کسمسایا گویا اپنے بدن کو ژنیتین کے جسم سے جدا کرنا چاہتا ہو۔ نہیں۔ وہ اس سے محبت نہیں کرتا۔ وہ تو صرف جو کچھ اس کی بیوی نہیں ہے اس سے ڈرتا ہے۔ انہیں بہت پہلے ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جانا چاہئے تھا اور ہمیشہ اکیلے سونا چاہئے تھا۔ مگر کون ہمیشہ اکیلے سو سکتا ہے؟ اپنے پیشے سے مجبور ہو کر جو دوسرے انسانوں سے ان کا تعلق منقطع کر دیتا ہے۔ یا کسی بدقسمتی کا شکار ہو کر کچھ مرد ایسا کرتے ہیں لیکن مارسل ایسا کبھی نہیں کر سکتا۔ مارسل جو ایک کمزور اور غیر مسلح بچے کی طرح ہے جو اذیت اور مصیبت کے خیال ہی سے ڈر جاتا ہے جو اس کا اپنا بچہ ہے جب اس کی ضرورت ہے اور جو اس وقت منمنا رہا ہے۔ وہ اسکے اور بھی قریب ہو گئی اور اسنے اپنا ایک ہاتھ اسکے سینے پر رکھ دیا۔ اسنے اسے پیار کے اس نام سے بلایا جو عرصہ ہوا اسنے اسے دیا تھا اور جسے اب بھی وہ دونوں کبھی کبھی استعمال کرتے تھے۔ مگر اس کی معنویت کا احساس کئے بغیر۔

وہ اسے اپنے دل کی گہرائیوں سے بلا رہی تھی۔ آخر اسے بھی تو اس کی ضرورت تھی۔ اس کی طاقت کی اور اس کی چھوٹی چھوٹی بے معنی حرکتوں کی۔ اسے بھی تو موت سے ڈر لگتا تھا۔ "اگر میں اس خوف سے چھٹکارا پالوں تو میں خوش رہ سکتی ہوں ۔۔۔۔۔" فوراً ہی ایک بے نام اذیت نے اسے دبوچ لیا۔ وہ مارسل سے الگ ہو گئی۔ نہیں۔ وہ کسی چیز سے بھی چھٹکارا حاصل نہیں کر رہی تھی۔ وہ خوش نہیں تھی۔ درحقیقت اسے موت آنے والی تھی۔ اس حالت میں جبکہ اسنے آزادی حاصل نہیں کی تھی۔ اسکے دل میں تکلیف ہوئی۔ اور اسے ایسا محسوس ہوا جیسے ایک بہت بڑا بوجھ اس کا دم گھونٹ رہا ہے جسے وہ بیس سال سے اٹھائے پھر رہی ہے۔ اس وقت وہ اس بوجھ کے دبی اپنی پوری طاقت سے ہاتھ پیر مار رہی تھی۔ وہ آزاد ہونا چاہ رہی تھی خواہ مارسل یا اور لوگ کبھی بھی آزاد نہ ہوں۔ اب وہ پوری طرح سے جاگ چکی تھی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور ایک ایسی آواز سننے لگی جو بہت قریب آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ مگر رات کے کناروں سے صرف نخلستان کے کتوں کی کبھی نہ تھکنے والی

آوازیں اس کے کانوں میں آ رہی تھیں۔ ہوا پھر چلنے لگی تھی۔ اور اسنے اس کے نرم روپانی کی آواز سنی جو پام کے جھنڈ میں بہہ رہا تھا۔ ہوا جنوب کی سمت سے چل رہی تھی جہاں ریگستان اور رات نہ بدلنے والے آسمان کے نیچے ایک دوسرے سے خلط ملط ہو رہے تھے۔ جہاں زندگی ٹھہر کر رہ گئی تھی۔ جہاں آئندہ کوئی نہ بڈھا ہو گا اور نہ مرے گا۔ پھر ہوا کے پانی کا بہاؤ رک گیا اور اسے یہ بھی یقین نہیں رہا کہ اسنے کوئی آواز سنی تھی سوائے اس خاموش آواز کے جو اسے بلا رہی تھی۔ اور جسے وہ چاہے تو خاموش کر سکتی تھی اور چاہے تو سن سکتی تھی۔ مگر اسے یقین تھا کہ اگر اسنے فوراً اس آواز پر لبیک نہیں کہا تو وہ پھر کبھی اس کے معنی نہیں سمجھ پائے گی ـــــ ہاں فوراً ـــــ کم ازکم یہ بات تو یقینی تھی۔

وہ اٹھ کر پلنگ کے پاس ساکت کھڑی ہو گئی۔ وہ اپنے شوہر کی سانسوں کی آواز سن رہی تھی۔ مارسل محو خواب تھا۔ دوسرے لمحے بستر کی گرمی نے اس کے بدن کو خیر باد کہہ دیا۔ اور سردی نے اسے جکڑ لیا۔ اسنے آہستہ آہستہ سڑک پر لگے ہوئے لیمپوں کی اس مدھم روشنی میں ٹٹول ٹٹول کر کپڑے پہنے جو جھلملیوں میں سے چھن چھن کر کمرے میں آ رہی تھی۔ جوتے ہاتھ میں اٹھا کر وہ دروازے کے قریب پہنچی۔ اور اسنے آہستہ سے دروازہ کھولا۔ دروازہ چرچرایا تو وہ ساکت کھڑی ہو گئی۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ اس کے کان کھڑے تھے اور اس کا سارا جسم تنا ہوا تھا۔ جب خاموشی کا طلسم نہ ٹوٹا تو اسنے دروازہ تھوڑا سا اور کھولا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا گویا دروازہ کھل ہی نہیں چکتا۔ آخر کار دروازہ پورا کھول کر وہ آہستہ سے باہر نکلی اور اسنے انتہائی احتیاط سے دروازہ بند کر دیا۔ پھر دروازے سے کان لگا کر وہ انتظار کرتی رہی۔ ایک لمحے کے بعد اسے مارسل کی سانسوں کی آواز سنائی دی۔ وہ دروازہ چھوڑ کر مڑی تو اسے رات کی برفیلی ہوا اپنے رخسار پر محسوس ہوئی اور دوڑ کر اسنے بالکونی پار کی۔ باہر کا دروازہ بند تھا۔ جب وہ کنڈی کھول رہی تھی تو اسے دربان نظر آیا جو زینے کے بالائی حصے پر کھڑا تھا اس کے چہرہ پر نیند چھائی ہوئی تھی۔ اس نے اس سے عربی میں بات کی "میں ابھی واپس آ جاؤں گی۔" ژینین نے کہا اور باہر آ گئی۔

دکانوں اور پام کے درختوں کے اوپر ستاروں کے ہار لٹک رہے تھے۔ اس نے سڑک کا وہ حصہ جو قلعے کو جاتا تھا اور جو اس وقت سنسان تھا دوڑ کر طے کیا۔ سردی نے جسے اس وقت سورج سے

مزاحمت نہیں کرتی تھی۔ گویا بات پر دھاوا بول دیا تھا۔ برفیلی ہوا اس کے پھیپھڑوں کو جلا رہی تھی۔ مگر وہ اندھوں کی طرح تاریکی میں دوڑتی رہی۔ جب سڑک کے اختتام پر اسے روشنیاں نظر آئیں جو لہراتی ہوئی اس کی طرف بڑھ رہی تھیں تو وہ رک گئی، اور اسنے پہیوں کی گھر گھراہٹ سنی اور جلد ہی پھیلتی ہوئی روشنیوں کے پیچھے اسے بائیسکلوں پر سوار بر نوس نظر آئے۔ بر نوس اس کے پاس سے پھڑپھڑاتے ہوئے گذر گئے اور پھر اس کے عقب میں پھیلی ہوئی تاریکی میں تین سرخ روشنیاں نظر آئیں جو فوراً ہی غائب ہو گئیں۔ وہ پھر قلعے کی طرف دوڑنے لگی۔ جب وہ نصف زینہ طے کر چکی تو ہوا اس کے پھیپھڑوں کو گویا کاٹنے لگی اور اس نے چاہا کہ رک جائے۔ مگر جسمانی طاقت کی ایک آخری موج نے اسے اس کی مرضی کے خلاف چھت پر منڈیر کے قریب پھینک دیا۔ اس کا پیٹ منڈیر سے لگا ہوا تھا۔ وہ ہانپ رہی تھی اور اس کی نظروں کے سامنے ہر چیز دھند میں لپٹی ہوئی تھی۔ دوڑنے سے اس کے بدن میں گرمی نہیں پیدا ہوئی تھی اور وہ ابھی تک کانپ رہی تھی۔ مگر جلد ہی ٹھنڈی ہوا جسے وہ منہ بھر بھر کے نگل رہی تھی باقاعدگی سے اس کے پھیپھڑوں میں چکر لگانے لگی۔ اس کی کپکپی کے درمیان حرارت کی ایک چنگاری چمکنے لگی۔ اور آخر کار اس کی آنکھیں کھلیں تو اسنے اپنے سامنے پھیلی ہوئی بیکراں رات کو دیکھا۔

سوائے پتھروں کے چٹخنے کی مبہم سی آواز کے جنہیں سردی ریت میں تبدیل کر رہی تھی۔ کوئی آواز اس تنہائی اور خاموشی میں مخل نہ تھی جو ژینین کو گھیرے ہوئے تھی۔ ایک لمحے بعد اسے محسوس ہوا گویا اس کے اوپر پھیلا ہوا آسمان آہستہ آہستہ چکر لگا رہا ہے۔ خشک اور ٹھنڈی رات کے پھیلاؤ میں ہزاروں ستارے نمودار ہو رہے تھے اور چمکتے ہوئے برف کے چمکدار ٹکڑوں کی طرح پگھل پگھل کر آہستہ آہستہ افق کی سمت پھسل رہے تھے۔ ژینین ان بہتے ہوئے شعلوں پر اپنی نظریں جما کر رہ گئی تھی۔ وہ ان کے ساتھ ساتھ مڑ رہی تھی۔ اور اس کی اس بظاہر ساکت حرکت نے اسے دھیرے دھیرے اس کے وجود کی گہرائیوں سے ہم آہنگ کر دیا تھا۔ جہاں اس وقت ٹھنڈ اور خواہش دست و گریباں تھے۔ اس کے سامنے ستارے ایک ایک کرکے ٹوٹ رہے تھے اور صحرا کے پتھروں میں بجھ رہے تھے۔ ہر ستارے کے ٹوٹنے پر ژینین کا وجود رات کے سامنے تھوڑا سا اور بے نقاب ہو جاتا۔ وہ لمبے لمبے سانس لے رہی تھی۔ اور ٹھنڈ۔ دوسروں کے وجود کے بوجھ۔ زندگی کی لا یعنیت اور پاگل پن۔ اور

زندہ رہنے اور مرنے کی اذیت کو بھول چکی تھی۔ اتنے سال تک خوف سے بے مقصد اور پاگل پنے کی فضا کے بعد آخرکار وہ رک گئی تھی۔ اور اب تو سناٹے سے ایسا محسوس ہو رہا تھا گویا اسے اسکی جڑیں نچڑ رہی ہیں۔ زندگی بخش عرق پھر اس کے بدن میں سرایت کر رہا تھا جواب کپکپا نہیں رہا تھا۔ اپنے سارے پیٹ کا بوجھ منڈیر پر ڈال کر وہ گھومتے ہوئے آسمان کو دیکھ رہی تھی۔ وہ صرف اس بات کی منتظر تھی کہ اس کا دل پھڑپھڑانا بند کر دے تاکہ اس کے اندر خاموشی چھا جائے۔ ستاروں کے آخری جھرمٹ ریگستانی افق پر کچھ اور جھک گئے اور ساکت ہو گئے۔ پھر رات کا پانی ژنیتین کے اندر ناقابلِ برداشت نرمی کے ساتھ چڑھنے لگا۔ اسنے ٹھنڈ کو ڈبو دیا۔ یہ اس کے وجود کی پوشیدہ گہرائیوں سے ابلنے لگا۔ اور موج در موج بہہ نکلا حتیٰ کہ یہ اسکے منہ تک چڑھ آیا جو کراہوں سے پُر تھا۔ دوسرے لمحے ژنیتین پیٹھ کے بل ٹھنڈی مٹی پر گر پڑی۔ سارا آسمان اس کے اوپر پھیلا ہوا تھا۔

ژنیتین جب اسی احتیاط کے ساتھ کمرے میں واپس آئی جس احتیاط سے وہ گئی تھی۔ تو اسنے مارسل کو سوتا پایا۔ مگر جب وہ بستر پر آئی تو وہ منمنایا اور چند سیکنڈ بعد اچانک اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اسنے کچھ کہا مگر ژنیتین اس کا مطلب نہ سمجھ سکی۔ وہ بستر سے اترا اور اسنے بجلی جلائی جس نے ژنیتین کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا غسل خانے کی طرف گیا۔ جہاں اسنے پانی کا ایک لمبا گھونٹ پیا۔ واپس آ کر وہ بستر میں گھسنے والا ہی تھا کہ پلنگ پر ایک گھٹنا ٹیکتے ہوئے اسنے ژنیتین کی طرف نافہم نظروں سے دیکھا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی اور اپنے اوپر قابو پانے سے قاصر تھی۔ "کچھ نہیں میری جان!" ژنیتین نے کہا۔ "کچھ بھی نہیں۔"

---

۲۳ — ۲۴

قیمت

۴ روپے

شائع کردہ:۔ پاکستان کلچرل سوسائٹی۔ کراچی